دکنی تحقیقات: نوعیت و معیار

ڈاکٹر طارق محمود*

Abstract:

Hayderabad Dakan was considered a large and independent state of India, Where its historical importance is admitted, the existence of Urdu literature remains incomplete without its literary historty. A large number of researchers made authentic research on classical Urdu literature. They have given it new innovation and expansion. In this artical, the contributions of the researchers and institution that took part in the dicoveries of Dakane literature has been enclosed.

زبان و ادب کی تاریخ کے غیر معلوم گوشوں کی دریافت، زبان کے آغاز و ارتقاء کی نشان دہی اور قدیم شعراء اور ادیبوں کے حالات کے تعین کے لیے قدیم شعری و نثری متون کی تحقیق و تصحیح اور ترتیب و تدوین از حد ضروری ہے کیوں کہ ہر مہذب سماج خود کو جاننے اور سمجھنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اس امر کے لیے فکری، جذباتی، ذہنی، علمی اور ادبی کارناموں کی مکمل تاریخ کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ اس کے باعث تحقیق و تدوین کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

بیسویں صدی کے آغاز سے ہی تحقیق و تدوین کا بھرپور دور شروع ہوتا ہے۔ تاہم اُردو میں ادبی تحقیق کا آغاز عمومی طور پر تذکروں سے کیا جاتا ہے۔ یوں تو فورٹ ولیم کالج کی تصانیف میں بھی علمی طریق کار تک رسائی اور تحقیقی اندازِ نظر کے قابلِ غور نمونے مل جاتے ہیں اور سرسید احمد خاں کی تصنیف ''آثار الصنادید'' تحقیق کے میدان میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے بعد ''آئینِ اکبری'' کی تدوین بھی جدید خطوط پر کی گئی۔ گو ان کتابوں کے موضوعات آثارِ قدیمہ اور تاریخ ہیں، ادب نہیں پھر بھی یہ اپنے معیارِ تحقیق و تدوین کے لحاظ سے اہم ہیں اور محققین کی رہنمائی کے لیے بہترین نمونے بھی ہیں۔

تحقیق و تدوین کا زرّیں دور بیسویں صدی کے ابتدائی عشرے سے شروع ہوتا ہے، اِس دور میں دواوین

* شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج، عبدالحکیم

کی تدوین نثری تصانیف کی تلاش، تاریخ نویسی، مخطوطہ شناسی، وضاحتی فہارس کتب ومخطوطات ایسے میدان بطورِ خاص اہم ہیں جن کی بدولت اُردو تحقیق کی راہ ہموار ہوئی۔ تحقیق کی اس روایت کو فروغ دینے کے لیے سبھی دبستانوں ، دہلی، علی گڑھ، پٹنہ، حیدرآباد دکن، لاہور، کراچی کے محققین نے بے مثال کارنامے سرانجام دیئے۔ تاہم اس مضمون میں ہم دکنی ادب کی بازیافت میں حصہ لینے والے دبستانِ دکن کے محققین، شاہان اور اداروں کا مجموعی جائزہ لیں گے جنھوں نے قدیم ادب کی تلاش کو حقیقت میں ادبیات اُردو کا حصہ بنا دیا۔

اس مضمون میں حیدرآباد دکن کے نمائندہ محققین کی صرف جنوبی ہند کے اُدباء وشعراء کے کارناموں کے احیاء پر مشتمل ادبی ولسانی تحقیقات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس مضمون کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابتدائی حصہ میں حیدرآباد کے اہم اور نمائندہ محققین، حکیم شمس اللہ قادری، مولوی عبدالحق، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، نصیرالدین ہاشمی، عبدالقادر سروری اور علمی وتحقیقی اداروں کی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ دوسرے حصہ میں میر عثمان علی خاں کی علم پروری اور سرپرستی جو نہ صرف حیدرآباد بلکہ عالمِ اسلام کے اُدباء اور علمی وتحقیقی اداروں کے لیے تھی، کا جائزہ لیا گیا ہے۔ آخری حصہ میں زوال (۱۹۴۸ء) کے بعد حیدرآباد میں ہونے والی علمی وتحقیقی سرگرمیوں کا احوال پیش کیا گیا ہے۔

حکیم شمس اللہ قادری حیدرآباد دکن کے وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے قدیم دکنی ادب کے موضوع پر پہلا تحقیقی وتعارفی مضمون لکھا جو ۱۹۱۰ء میں لکھنؤ کے رسالے ''لسان العصر'' میں شائع ہوا۔ حکیم صاحب ایک محقق، مورخ، ماہر آثارِ قدیمہ ومسکوکات کی حیثیت سے منفرد مقام ومرتبہ رکھتے تھے۔ ایک زمانہ ان کی تحقیقات کا معترف تھا۔ وہ برصغیر کے گنے چنے عالموں میں شمار ہوتے تھے۔ حیدرآباد کا قدیم دور انہی کی قابلیت ولیاقت کی وجہ سے زندہ ہے۔ حکیم صاحب سے دکن کے بہت سارے محققین نے فائدہ اٹھایا ہے اور اپنی اپنی تصانیف میں حکیم صاحب کے حوالے بھی دیئے ہیں حیدرآباد دکن کے جن محققین نے آپ سے فائدہ اٹھایا ہے، اُن میں بابائے اُردو مولانا عبدالحق، ڈاکٹر سیّد محی الدین قادری زور اور نصیرالدین ہاشمی وغیرہ شامل ہیں۔ (۱) یہ محققین بلاشبہ خود بھی دکنی ادب کی تحقیقات اور ادب کی بازیافت کے حوالہ سے سند کا درجہ رکھتے ہیں لیکن علمی وتحقیقی کاموں میں حکیم شمس اللہ کی علمیت سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ ان محققین نے اکثر حل طلب مسائل میں شمس اللہ قادری کے بیان پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی اور اس رائے سے اتفاق بھی کیا۔

حکیم شمس اللہ قادری کی خدمات کی ذیل میں ان کی کتاب ''اُردوئے قدیم'' (۱۹۲۵) اور ''قاموس الاعلام'' (۱۹۳۵) ایسے کارنامے ہیں جو ادب کے قارئین کی دلچسپی سے متعلق ہیں۔ ''اُردوئے قدیم'' کا ابتدائی نمونہ رسالہ تاج کی جلد ۲ (۱۳۴۳ھ، اردوئے قدیم نمبر) میں شائع ہوا۔ اس کے بعد بہت سے محققین وناقدین نے تاریخ ادب اُردو کے باب میں شب وروز محنت شاقہ سے کام کیا اور ضخیم ادبی تواریخ متعارف کروائیں لیکن ان تمام

کتابوں کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت انہی کی کتاب ''اُردوئے قدیم'' کو حاصل ہے۔ جس طرح انھوں نے اپنی کتاب ''اُردوئے قدیم'' کے ذریعہ اُردو زبان، اس کی ابتداء اور ادب کے آغاز کے بارے میں پھیلی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور غیر معمولی صلاحیتوں کو کام لاتے ہوئے دکنی ادب کو متعارف کروایا۔ اسی طرح انھوں نے ''قاموس الاعلام'' یعنی اُردو زبان کے سب سے پہلے انسائیکلو پیڈیا کو ترتیب دینے کا ذمہ اپنے سر لیا اور اس سلسلہ کی پہلی کڑی شائع کر دی۔ اس میں بلاد مشرق و مغرب کے بادشاہوں، امیروں، عالموں، فاضلوں، حکیموں، شاعروں، ادیبوں اور علمی و ادبی، مذہبی اور تاریخی تصنیفات کا ذکر موجود ہے۔ اُردو زبان میں قاموس کو ترتیب دینا انتہائی مشکل اور دِقت طلب کام سمجھا جاتا ہے لیکن حکیم شمس اللہ قادری نے اس مشکل کام کا بیڑا بھی اکیلے ہی اُٹھایا۔

حکیم شمس اللہ قادری کی تاریخ کے موضوع پر لکھی جانے والی کتب کو بھی خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔ حیدر آباد میں آثار قدیمہ کی تلاش اور محکمہ کا قیام انہی کی مساعی جلیلہ کا عملی نمونہ ہے۔ تاریخ سے دلچسپی کے باعث انھوں نے جو اہم کام ان کتب کو تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ سرانجام دیا۔ وہ مخطوطات کی شناخت اور اس ذیل میں پیش آنے والے تمام مسائل کا بیان ہے۔ یوں مخطوطہ شناسی کی روایت بھی انہی کے باعث رواج پائی۔ ڈاکٹر مجید بیدار اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''تحقیق کے لیے مخطوطہ شناسی کی اہمیت کو سب سے پہلے حکیم شمس اللہ قادری نے محسوس کیا۔ ان کا موضوع تاریخ رہا۔ اسی لیے شاید انھوں نے اس فن کی طرف توجہ دی اور مخطوطہ شناسی کی پہلی کتاب ''اُردو مخطوطات انڈیا آفس لائبریری لندن'' کی سال ۱۹۲۹ء میں انجمن پریس اورنگ آباد سے اشاعت عمل میں آئی۔''(۲)

اس کے بعد محققین کی ایک تعداد نے اس جانب توجہ دی اور حیدر آباد اور بیرون ممالک لائبریریوں میں موجود مخطوطات کی فہرست بندی کا عمل زور شور سے شروع ہوا۔ رسالہ تاریخ کا اجراء بھی ان کی اُردو زبان و ادب اور تحقیق سے محبت کا نتیجہ ہے۔

حکیم شمس اللہ قادری کے تحقیقاتی اور علمی کارنامے کسی سے پوشیدہ نہیں۔ انھوں نے اپنی تحقیقات سے دکنی ادب اور اُردو زبان و ادب کو نئے امکانات سے متعارف کرایا۔ دکنی زبان پر کام کرنے والے سبھی محققین، ان کی صلاحیتوں کے معترف ہیں۔ وہ اب بھی یعنی جدید تحقیق کے اس دور میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ حکیم شمس اللہ قادری کے ساتھ ساتھ عبدالجبار صوفی ملکاپوری کا ذکر بھی نہایت اہم اور ضروری ہے۔ ان کے تحقیقی کارناموں میں ''محبوب الوطن تذکرہ سلاطینِ دکن (۱۳۲۸ھ) محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن (۱۳۲۹ھ) اور محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن (۱۳۳۲ھ) کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ دکنی ادب اور تاریخ پر کام کرنے کے لیے ان کتب کا

مطالعہ ناگزیر ہے۔ یقیناً ان کتابوں نے بہت سے شعراء اور بزرگوں کو گم نامی سے بچا لیا۔ اس دور کو حکیم شمس اللہ قادری کی علمی و ادبی دلچسپیوں اور کارناموں کے باعث یاد کیا جائے گا۔

مولوی عبدالحق نے اُردو تحقیق کی روایت کو پروان چڑھانے اور اپنے بیشتر تحقیقی و تدوینی کاموں اُردو شعراء کے تذکروں، ترتیب و تدوین قدیم اُردو اور اس کے گمشدہ ادب کی تلاش، تبصرے، مقدمات، قواعد و لغت وغیرہ کے ذریعہ اُردو تحقیق پر اپنے گہرے نقوش ثبت کیے، ان کی تحقیق اُردو زبان اور ادب دونوں کا احاطہ کرتی ہے۔ مولوی عبدالحق کی تحقیق میں دلچسپی کا ایک سبب وہ سنجیدہ فکر لوگ (سر سید احمد خاں، شبلی نعمانی، الطاف حسین حالی وغیرہ) تھے جو ان کے حلقہ احباب میں شامل رہے اور جو خود بھی تحقیقی مزاج رکھتے تھے۔ مولوی عبدالحق ہمہ وقت علمی و ادبی کاموں میں مصروف اور مخطوطات کی تلاش میں سرگرداں رہتے اور مختلف مخطوطوں کے تقابل کے بعد ہی اپنے نتائج کو ادبی دنیا کے سامنے پیش کرتے تھے۔ قدیم سے قدیم مخطوطہ پڑھنے میں بھی انھیں زیادہ تردّد نہ کرنا پڑتا۔ جب کہ بعض قدیم دکنی مخطوطات، خط ثلث اور خط نسخ میں تحریر ہوتے تھے۔ بعض خط شکستہ میں بھی ہوتے تھے۔۔۔۔ بعض مخطوطات کے کاتب غلط نویس تھے۔ لفظ پورے نہیں لکھتے تھے۔ حروف کے شوشے اور نقطے پورے نہیں لگاتے تھے۔ (۳)

مولوی عبدالحق کی ذات اُردو ادب کی خدمت کے لیے ہی پیدا ہوئی تھی۔ ان کی بنیادی تربیت میں جہاں ان کے دوستوں کا ہاتھ ہے، وہیں انجمن ترقی اُردو کی ذمہ داریوں سے بھی انھیں بہت کچھ سیکھنے اور کرنے کا موقع ملا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اداروں اور انجمنوں کے کرنے کے اجتماعی کام فردِ واحد کے طور پر سرانجام دیئے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے بے حد مشکلات اٹھائیں۔ اورنگ آباد کا زمانہ ان کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا زمانہ رہا۔ اس زمانے میں انھوں نے تین اہم عہدوں پر خدمات انجام دیں۔ اوّل بحیثیت صدر مہتمم تعلیمات (۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۳ء تک) دوم معتمد انجمن ترقی اُردو (۱۹۱۲ء سے ۱۹۳۸ء تک) اور سوم پرنسپل عثمانیہ انٹرمیڈیٹ کالج (۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۹ء تک)، دارالترجمہ عثمانیہ کی خدمات، عثمانیہ یونیورسٹی میں اُردو کی پروفیسری اور اُردو لغت یہ ایسے کام ہیں جو حیدرآباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں تعلیم سے متعلق اپنی تمام تر ذمہ داریوں کو تحریک میں بدل دیا (۴)

دکن میں بابائے اُردو مولوی عبدالحق کی آمد کے بعد تحقیق کو نئی راہیں اور جوش و ولولہ نصیب ہوا۔ دکن میں موجود ادبی و تحقیقی روایت کی راہیں ہموار ہوئیں۔ مولوی عبدالحق نے دکنی ادب کی شعری و نثر تصنیفات کی دریافت، تصحیح، ترتیب اور اشاعت سے کیا۔ انھوں نے اپنے مقدمات میں محض تنقیدی رویہ اختیار نہ کیا بلکہ تحقیق اور اس کے اصول بھی ان کے پیش نظر رہے۔ یوں یہ کتب تدوین متن کے اوّلین شاہ کار کے طور پر سامنے آتی ہیں۔ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی مولوی عبدالحق کی ان خدمات کو ان الفاظ میں صراحتے ہیں۔

''انجمن کے زیر اہتمام شعراء کے دواوین، تذکروں اور دکنی ادبیات کے متون مرتب

ہو کر شائع ہوئے۔ ان میں سے بہت سی کتابوں کی ترتیب کا فریضہ خود مولوی عبدالحق نے انجام دیا۔"(۵)

سو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اُردو میں تدوین متن کی باضابطہ روایت کا آغاز بابائے اُردو مولوی عبدالحق نے دکنی ادب کی شعری و نثری تصنیفات کی دریافت، تصحیح/ ترتیب اور ان متون کی اشاعت سے کیا۔ انھوں نے قدیم اُردو زبان و ادب کے ان شاعروں اور مصنفوں کو زندگی عطا کی جو گم نامی کے تاریک پردوں کے پیچھے چھپ کر اپنا وجود کھو چکے تھے۔ ان کے وجود کی شناخت اور تعارف کے ذریعہ مولوی صاحب نے تاریخ ادب اُردو کی گم شدہ لڑیوں کو ہم رشتہ کیا۔ اُردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام ان کا نہایت پُر مغز مقالہ ہے۔ جس میں ان کی سعی و تلاش اور ذہنی وسعت اور مطالعہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ سب رس، گلشن عشق، معراج العاشقین کے ماخذ اور مصنف کے حوالہ سے پائے جانے والے اختلافات/ اختلافی مباحث کی طرف بھی مولوی صاحب نے دلائل سے اشارہ کیا۔

قدیم متون اور ان کے مصنفین پر تبصرہ کرتے ہوئے ہمیشہ خصائص اور اسقام دونوں ان کی نظر میں رہے۔ قدیم ادب سے متعلق جتنے بھی متون انھیں دستیاب ہوئے، انھوں نے فوراً ہی انھیں اشاعت کا جامہ پہنا دیا۔ جس کے باعث متون میں اکثر اغلاط راہ پا گئیں۔ بہرحال ان کے تدوینی کام خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کاموں پر لکھے جانے والے ان کے تبصرے اور مقدمات بھرپور تحقیقی اور تنقیدی مزاج کے حامل ہیں۔ انھوں نے جس محنت اور مستعدی سے ایک مدت اُردو کی خدمت کی، وہ قابلِ رشک ہے۔ انھوں نے معیاری تحقیقی و تدوینی کام سرانجام دیئے۔ بحیثیت مدوّن ان کا مقام انتہائی بلند ہے۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ حیدرآباد کی وہ کُہنہ مشق ادبی شخصیت تھیں جن کی صلاحیتوں اور کارناموں کا ایک مقالہ میں احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ دکنی تحقیقات کے بعد ان میں وہ اپنے عہد کے سبھی محققین سے مختلف اور منفرد ہے۔ انھوں نے جامعہ عثمانیہ اور مولوی عبدالحق کی پیدا کردہ خاص فضا میں علم و تحقیق کی طرف توجہ دی۔ پہلے سے موجود دکنی ادب پر کام کرنے والے محققین کے کام کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ اپنی ذاتی دلچسپی کے میدان ''دکنیات'' میں جو تحقیقات کیں ان کے مستند ہونے میں کسی کو شک نہیں اور دکنی ادب کے سب سے بڑے بہی خواہ کے طور پر سامنے آئے اور اپنی خدمات کی بنا پر مولوی عبدالحق کے ہم پلہ ٹھہرے۔ ڈاکٹر نزہت اکرام اس حوالہ سے لکھتی ہیں:

> ''مولوی عبدالحق صاحب اور ڈاکٹر زور کی جدوجہد کا ایک قابل لحاظ حصہ یکساں تھا۔ دونوں نے دکن کے ادیبوں کو تلاشِ بسیار کے بعد ادبی دنیا سے روشناس کرایا۔ مخطوطات پر کام کیا۔ دونوں نے اُردو کی ترویج و اشاعت کے لیے تن دہی سے بے لوث خدمت کی زندگی بھر اُردو کے فروغ کے لیے کوشاں رہے۔"(٦)

ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے لسانیات اور دکنیات کے میدان میں جو قابل قدر کارنامے انجام دیئے،

وہ ادب کے لیے ان کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ انھوں نے قدیم ادب کے مخطوطات کو تلاش اور متعارف کروا کر تاریخ ادبیاتِ اُردو میں کئی اضافے کئے۔ مخطوطات کے پڑھنے میں انھیں خاص مہارت حاصل تھی۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور دکن کے ان چند نامی گرامی افراد میں شمار کئے جاتے تھے جنھوں نے تمام لوازمات کے ساتھ ''مخطوطہ شناسی'' کے فن کو رواج دینے کی کوشش کی۔ انھوں نے قلمی کتابوں کی فہرست مرتب کرنے سے زیادہ ہر مخطوطہ کی توضیحات پر توجہ دی، جس کی وجہ سے انھیں مخطوطہ شناسوں کی فہرست میں بلند مرتبہ حاصل ہے۔(۷) انھوں نے اپنی تالیف تذکرہ اُردو مخطوطات، جلد اوّل تا پنجم کو محض کیٹلاگ نہیں بنایا بلکہ توضیحات و تشریحات کے ذریعہ مخطوطہ کے تعلق سے دستیاب مواد اور ان کا تعارف بھی اپنی ذہنی صلاحیت اور قابلیت کی بنا پر عمدہ طریق پر انجام دیا۔ انہی کی شبانہ روز محنت کے باعث محمد قلی قطب شاہ کا دیوان علمی و ادبی حلقوں میں متعارف ہوا۔

ڈاکٹر زور نے اپنی ادبی، لسانی اور تنقیدی صلاحیتوں کا اظہار عملی طور پر اپنے سینکڑوں مضامین اور تحقیقی و تنقیدی کتب کے ذریعہ کیا۔ لسانیات کے میدان میں بھی ان کے دونوں کارناموں ''ہندوستانی صوتیات'' اور ''ہندوستانی لسانیات'' کو افضلیت حاصل ہے۔ لسانیات میں ان کا اصل کارنامہ ہندوستانی فونیٹکس ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اس کا اُردو ترجمہ نہیں کیا گیا۔ جس کی وجہ سے اُردو دنیا اس کے نام سے بھی روشناس نہیں حالاں کہ ڈاکٹر زور کو لسانیات کی تاریخ میں کوئی مقام دیا جائے گا تو اسی کی بدولت (۸) ڈاکٹر زور نے لندن اور پیرس کی تجربہ گاہوں میں آوازوں کا جو تجزیہ کیا تھا ہندوستانی صوتیات اسی کا نتیجہ ہے۔ ان کی لسانیات سے دلچسپی کم عرصہ کے لیے رہی جو ڈاکٹر زور اور اُردو زبان دونوں کے لیے نقصان کا باعث بنی۔

ڈاکٹر زور نے اُردو کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کے سبھی کارنامے اُردو شہ پارے، کلیاتِ قلی قطب شاہ، ارشاد نامہ، معانی سخن، ابراہیم نامہ، تاج الحقائق، میر محمد مومن، داستانِ ادب حیدرآباد، دکنی ادب کی تاریخ، تذکرہ مخطوطات، ادارہ ادبیاتِ اُردو وغیرہ اپنی اپنی جگہ اہم، قابلِ قدر اور اپنی مثال آپ ہیں۔ انھوں نے ادارہ ادبیات اُردو ایسے اداروں، نئے محققین کی حوصلہ افزائی و سرپرستی اور قدیم ادب کی تلاش و تحقیق کے سلسلہ میں جو زندہ جاوید کارنامے انجام دیئے وہی ان کی انفرادیت ہے۔ ادارہ ادبیاتِ اُردو نے دکنی ادب کے مطالعہ و تحقیق کو نہ صرف فروغ دیا بلکہ یہ قدیم ادب کے محافظ مرکز اور تربیت گاہ کے طور پر فعال اور مستعد ہے۔ دکنی ادب کے احیاء کی ہر کاوش اور کوشش میں وہ کامیاب ہوئے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے لسانیات، دکنیات، قدیم اُردو ادب اور مخطوطات کی تلاش و ترتیب کو اپنا موضوع بنایا اور کامیاب تحقیقی و تدوینی مطالعے پیش کئے۔ اسی لیے ان کا شمار ادب کی ان معدودے چند ہستیوں میں ہوتا ہے جنھیں محقق و مدوّن کے طور پر اپنے سامنے رکھا جا سکتا ہے۔

نصیر الدین ہاشمی کی ساری زندگی دکنی اُردو کی تحقیق و ترویج میں گزری۔ چھوٹے سے چھوٹے موضوع اور

بڑے سے بڑے تحقیقی کام کو انتہائی تن دہی سے انجام دیا۔نصیرالدین ہاشمی نے دکنی ادب کے متن کی تصحیح اور زبان کے ارتقاء کا جائزہ انتہائی موثر انداز میں لیا۔انھوں نے دکنی ادب کی تحقیق کو ایک تحریک بنا دیا۔جس کے لیے بعد میں آنے والے ہر محقق نے اپنی صلاحیتوں کے مطابق حصہ ڈالا۔یورپ میں دکھنی مخطوطات، دکن میں اُردو، دکنی کلچر، دکنی (قدیم اُردو) کے چند تحقیقی مضامین، خواتین دکن کی اُردو خدمات، عہد آصفی کی قدیم تعلیم، کتب خانہ آصفیہ کے اُردو مخطوطات، مقالات ہاشمی، مدارس میں اُردو، ملکہ حیات بخشی بیگم☆ ایسے کارناموں کے سرانجام دینے والے محقق کی صلاحیتوں پر کیسے شک کیا جاسکتا ہے۔یورپ میں دکنی مخطوطات اور دکن میں اُردو ان کے علمی و ادبی حلقوں میں تعارف کا مضبوط ترین حوالہ ہیں۔نصیرالدین ہاشمی نے دکن میں اُردو لکھ کر محی الدین قادری اور مولوی عبدالحق کے کام کو آگے بڑھایا۔ان کی کتاب میں دکنی دور کے نظم و نثر میں تحقیق کے بعد جو اس علاقے کے ادب کا جائزہ لیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔آج تک اس کتاب کی آب و تاب برقرار ہے۔

نصیرالدین ہاشمی اپنے ہم عصر اور بعد کے محققین میں اس لیے بھی اہم ہیں کہ انھوں نے دکنی ادب کی بازیافت کے ساتھ ساتھ خواتین دکن کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا نہ صرف پرچار کیا بلکہ اپنی کتابوں ''خواتین دکن کی اُردو خدمات''، ''خیابانِ نسواں''، ''خواتین عہد عثمانی''، ''حیدرآباد کی نسوانی دنیا'' کو بطور ثبوت ادبی دنیا میں پیش کیا۔حیدرآباد میں خواتین کی ترقی اور بہتری کے لیے جو کام انھوں نے سرانجام دیئے، اس سے ''نسوانیات'' کا مطالعہ ادب کی روایت بن گیا۔احتشام حسین نے خواتین سے متعلق کارہائے نمایاں انجام دینے پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے انھیں بجا طور پر ''عورتوں کا سرسید'' قرار دیا ہے۔انھوں نے اپنے ضخیم کتب خانے کو نہ صرف عورتوں کے لیے وقف کیا بلکہ اس کا نام بھی ''کتب خانہ خواتین'' رکھ دیا۔یوں وہ طبقہ نسواں کے محسن اوّل بن گئے۔

نصیرالدین ہاشمی نے دکنی ادب کی بازیافت، خواتین دکن کی علمی و ادبی اور سماجی خدمات، کے اعتراف اور دکن کے تہذیب و کلچر کے حوالہ سے بھی کئی مقالات تحریر کئے ہیں۔ان کی کتاب ''دکنی کلچر'' کو اس ذیل میں خاص اہمیت حاصل ہے۔وہ دکنی ادب کے حوالہ سے نئے نئے مباحث اور مواد کو سامنے لانے میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ پھر انھیں تنقیدی تعارف، مقالے یا کتاب کی صورت میں پیش کرنے میں بھی دیر نہ کرتے تھے۔جو یقیناً تحقیق کے اصولوں کے منافی ہے۔تاہم انھوں نے جو راستے متعین کئے ان سے جہاں تحقیق آگے بڑھے گی وہیں آنے والے محققین کو بھی ان کے تحقیقی و تدوینی کاموں سے خوب مدد ملے گی۔ان کے کارنامے کسی بھی طور کم تر درجے کے شمار نہیں کئے جاسکتے۔دکنی ادب، خواتین کی علمی و سماجی خدمات اور دکنی تہذیب و کلچر کے حوالہ سے ان کے تحقیقی جائزے ان کی خدمات کے ثبوت کے طور پر ہمیشہ موجود رہیں گے۔یوں اپنے تحقیقی و تدوینی کاموں، دکنی ہندو اور اُردو، دکنی کے چند تحقیقی مضامین، دکنی کلچر ''کتب خانہ آصفیہ'' اور ''کتب خانہ سالار جنگ''، ''سنٹرل ریکارڈ آفس''، ''جامعہ

نظامیہ حیدرآباد'، ''عجائب خانہ حیدرآباد' کے مخطوطات کی طویل فہرستیں، وغیرہ حیدرآباد کے زوال کے بعد کی یادگار کے طور پر موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ اعلیٰ پائے کے مرتب بن گئے۔ تحقیق کا کام بھی ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ وہ مرتب و محقق کے طور پر حیدرآباد کی تحقیقی روایت میں اہم مقام رکھتے ہیں۔

عبدالقادر سروری کا شمار بھی دکنی ادب سے خاص شغف رکھنے والے محققین و ناقدین میں ہوتا ہے۔ ادبی دنیا میں وہ ایک محقق سے زیادہ نقاد کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ دکنیات کے حوالہ سے ان کا سب سے اہم کام سراج اورنگ آبادی کے کلیات کی تدوین ہے۔ سراج اورنگ آبادی کا شمار جنوبی ہند کے آخری دور کے بڑے شاعروں میں کیا جاتا ہے۔

عبدالقادر سروری نے مخطوطات کی تلاش و تحقیق کی طرف بھی خصوصی توجہ دی۔ انھوں نے تفصیلی فہرست مخطوطات جامعہ عثمانیہ، ترتیب دے کر ایک اہم خدمت سرانجام دی۔ حیدرآباد کی تعلیمی ترقی کے حوالہ سے بھی انھوں نے اپنی کتب میں اہم معلومات بہم پہنچائیں۔ مثنوی ''پھول بَن'' اور قصّہ بے نظیر، سراج اور ان کی شاعری، سراج سخن اور اُردو مثنوی کا ارتقاء، وہ تحقیقی و تنقیدی کارنامے ہیں جن کے باعث عبدالقادر سروری ادبیاتِ اُردو میں خاص پہچان رکھتے ہیں۔ اور بالخصوص بحیثیت محقق۔ بحیثیت محقق و نقاد وہ دبستانِ حیدرآباد کے سرکردہ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔

ان محققین کی قائم کردہ تحقیقی روایت کو حیدرآباد کے علمی و تحقیقی اداروں، ان کے تربیت یافتہ شاگردوں اور ان کے پیش رو محققین نے ایک خاص نہج پر آگے بڑھایا۔ سیّد محمد کا شمار بھی ڈاکٹر محی الدین قادری زور، نصیرالدین ہاشمی، عبدالقادر سروری کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ انھوں نے ادارہ ادبیاتِ اُردو اور مجلس اشاعت دکھنی مخطوطات کے لیے دن رات کام کیا۔ وہ بالغ نظر نقاد اور منجھے ہوئے محقق تھے۔ انھوں نے دکنی ادب کے حوالہ سے کئی اہم کام سرانجام دیئے۔ ان میں گلشن گفتار، قصہ رضوان شاہ وروح افزا، پنچھی باچھا، دیوان عبداللہ قطب شاہ، یادگار ولی اور گلشن عشق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ قدیم اُردو کے بیش قیمت کارناموں کو اُردو دنیا میں متعارف کرانے میں انھوں نے عبدالقادر سروری، ڈاکٹر محی الدین قادری زور اور نصیرالدین ہاشمی کے ساتھ مل کر بہت کام کیا۔ دیوان عبداللہ قطب شاہ کی تدوین ان کا انتہائی قابل قدر کارنامہ ہے۔ سید محمد کی تحقیق و تدوین کے سبھی معیارات کا بخوبی احاطہ کرتی ہیں۔ اُردو کے فروغ کے لیے اُن کی خدمات کو اہم مقام حاصل ہے۔

محمد اکبرالدین صدیقی کا شمار ان محققین و ناقدین میں ہوتا ہے جن کی تعریف اور حوصلہ افزائی ڈاکٹر زور ایسی شخصیات نے کی۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز تو افسانہ نگار کی حیثیت سے ہوا۔ بعدازاں ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ ایسے لوگوں کی صحبت کی وجہ سے تحقیق و جستجو کی طرف مائل ہوئے۔ ادارہ ادبیات اُردو کی بہترین اور اُردو کی ترقی کے لیے ہمہ وقت مصروف رہے اور یہی وابستگی ان کی کامیابیوں کا مرکز و محور رہی۔ محمد اکبرالدین صدیقی کا خاص تحقیقی میدان دکنیات ہی رہا۔ جس پر ان کی گہری نظر تھی اور ان کی تحقیقات کو حرفِ آخر کی حیثیت حاصل تھی۔ کلام بے نظیر،

فہرست مطبوعات کتب خانہ ادارہ ادبیات اُردو، دیوان عشق، مثنوی چندر بدن ومہیار، کلمۃ الحقائق، ارشاد نامہ، بجھتے چراغ، پھول بن، ایسے بے شمار کام ان کی تحقیق وتدقیق کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں۔ وہ بلا شبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے پائے کے محقق تھے۔ان کے کارناموں نے دکنی ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

ڈاکٹر سیّدہ جعفر جامعہ عثمانیہ کی پروردہ ہیں۔ جہاں انھیں اساتذہ سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا وہیں دکنی ادب کی تحقیق میں مصروف بہت سی خواتین، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، اُردو نثر کا آغاز وارتقاء، اُردو کی ترقی میں خواتین کا حصّہ، کلمۃ الحقائق: زینت ساجدہ، (کلیاتِ شاہی، نوسرہار، علی عادل شاہ ثانی)، ثمینہ شوکت (شکارنامہ، مہ لقا بائی چندا، مہاراجہ چندولال شاداں)، حمیرا جلیلی (سب رس، کلمۃ الاسرار، قلب مشتری)، ڈاکٹر لئیق صلاح (عہد ارسطو جاہ کی علمی وادبی خدمات، میر شمس الدین فیض)، ڈاکٹر اشرف رفیع (مضامین نظم طباطبائی)، ڈاکٹر مہر جہاں (میر اسد علی خاں تمنا) وغیرہ میں سیّدہ جعفر واحد خاتون محقق ہیں جنھوں نے اس قدر تحقیقی کام سرانجام دیئے جوان کے مقابلے میں زیادہ متنوع، مبسوط اور ہمہ جہت ہیں۔ڈاکٹر سیدہ جعفر کے تحقیقی کارناموں میں کلیات محمد قلی قطب شاہ کی تدوین ایک اعلیٰ اور معیاری کام ہے۔اسے پہلے ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے ۱۹۴۰ء میں مرتب کیا تھا بعد ازاں سیّدہ جعفر نے متعدد اضافوں، تصحیح اور اپنے مفصل مقدمے کے ساتھ ترتیب دے کر ۱۹۸۵ء میں شائع کیا۔اس کے علاوہ من سمجھاوں، دکنی رباعیاں، سکھ رنجن، یوسف زلیخا، مثنوی ماہ پیکر، جنت سنگھار وہ کارنامے ہیں جو انھیں ایک عرصہ تک تاریخ ادبیات اُردو میں بحیثیت مدوّن ومرتب ان کے مقام ومرتبہ کو قائم رکھیں گے۔انھوں نے ایک اور اہم کام ڈاکٹر گیان چند جین کے ساتھ مل کر کیا ''تاریخ ادبِ اُردو'' کے نام سے ایک تاریخ ترتیب دی جس میں دکنی ادب کی تاریخ کے قدیم دور کو پانچ جلدوں میں پیش کیا گیا۔جس کے کئی حصّے سیّدہ جعفر نے تحریر کیے، جو اپنے موضوع پر بے حد مبسوط، معلوماتی اور جدید تحقیقات کا احاطہ کرتی ہے۔ڈاکٹر سیّدہ جعفر نے ڈاکٹر محی الدین قادری زور اور نصیر الدین ہاشمی کی قائم کردہ روایت کو بخوبی نبھایا اور دکنی زبان وادب کے تحقیقی سرمائے میں قابلِ قدر اضافے کیے۔وہ معدودے چند محققین میں سے ہیں جنھوں نے دکنی زبان وادب کو اپنے تحقیقی کام کی خاص جولانگاہ بنایا۔ان کے ہاں تحقیق کو اچھے اسلوب میں پیش کرنے کا سلیقہ بھی ہے۔انھوں نے اپنی تحقیقات کے ذریعہ دکن کی اعلیٰ تخلیقات کو زندہ کیا۔بحیثیت محقق ان کی ہر جگہ پذیرائی ہوئی جو ان کا غالب پہلو ہے۔

عہد حاضر میں دکنی ادب کے فروغ اور تحقیق وتنقید میں مصروف ومشغول محققین میں سے ڈاکٹر محمد علی آثر کا نام بطور خاص لیا جا سکتا ہے۔ وہ دکنی ادب کی تلاش وتحقیق کی روایت میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ خصوصاً سقوطِ حیدرآباد دکن (۱۹۴۸ء) کے بعد دکنیات کے مطالعہ وتحقیق کی یہ روایت جو جامعہ عثمانیہ سے فارغ التحصیل اور منسلک طلبہ کے موثر کردار اور محنت کے باعث ایک منفرد اور روشن مثال کے طور پر سامنے آئی، اُن میں ڈاکٹر محمد علی آثر پیش

پیش ہیں۔ان کے مختلف تحقیقی وتدوینی کاموں نے نہ صرف ان کی اہمیت کو بڑھایا بلکہ دکنیات کے باب میں بھی یہ اہم اضافے شمار ہوتے ہیں۔انھوں نے بیسیویں صدی میں دکنی اور دکنیات کو اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا اور کئی کتابیں اس حوالہ سے تصنیف وتالیف کیں۔دکنی اُردو کے تاریخی،لسانی،ادبی اور تہذیبی اہمیت کے دائرہ کو وسیع کیا۔ ان کے مختلف مضامین اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ دکنی زبان وادب کے فروغ کے لیے وہ ہمیشہ کوشاں رہے۔ان کے کارناموں میں دکنی و دکنیات، دکن کی تین مثنویاں، دکنی غزل کی نشو ونما، تذکرہ اُردو مخطوطات، دیوان عبداللہ قطب شاہ، دبستان گولکنڈہ، ادب وکلچر، کتب خانہ سالار جنگ کے اُردو مخطوطات ''مقالاتِ اثر'' اور ''تحقیقاتِ اثر'' کو خاص اہمیت حاصل ہے۔انھوں نے ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے مرتبہ تذکرہ اُردو مخطوطات میں ترمیم و اضافے کیے اور نصیر الدین ہاشمی کی مرتبہ فہرست کتب خانہ سالار جنگ کے اُردو مخطوطات کو بھی اپنے شوق وجستجو سے بہتر کیا۔دکنی ادب سے متعلق ان کی تحقیقی صلاحیتوں کے جوہر کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔زوالِ حیدرآباد دکن کے بعد کی تحقیق وتنقیدی سے منسلک نسل میں وہ نمایاں ترین حیثیت رکھتے ہیں۔بعض قدیم محققین کی سوانح اور شخصیت کے باب میں اضافے اور بعض اہم شاعروں اور ادیبوں کی دریافت وہ کارنامے ہیں جن کی بدولت انھوں نے قدیم روایت تحقیق کو زندہ رکھا۔

ان محققین کی کامیابی اور علمی وادبی حلقوں میں پذیرائی نے دکن کے لوگوں اور ادباء کو اپنی زبان کے حوالے سے احساسِ کمتری سے باہر نکالا اور انھیں یہ اعتماد دیا کہ نہ تو ان کی زبان ناقص ہے اور نہ ہی ادبی شہ پارے معیار میں کسی سے کم ہیں۔دکنی محققین کی یہ فہرست اس قدر طویل ہے کہ اس کے لیے کئی دفتر درکار ہیں۔حکیم شمس اللہ قادری جس قافلہ کے سالار تھے اور اس نے دکنی زبان وادب کے فروغ کے لیے جو کوششیں کیں اور ترویج کے لیے جو جذبہ کارفرما رکھا وہی اس روایت کا خاص وصف ہے۔شروع سے آخر تک محققین نے دکنیات کے بارے میں اپنی محنت اور لگن سے اعلیٰ کارنامے سرانجام دیئے۔قدیم ادب کی تلاش کے سلسلہ میں ان محققین کی خدمات کے احاطہ کے بغیر کوئی جائزہ بھی مکمل نہیں۔یہ سبھی محققین اپنے اپنے میدان کے محنتی شہ سوار ہیں۔

حیدرآباد دکن کی علمی وتعلیمی ترقی میں اِن محققین کے ساتھ اُن اداروں کے کردار کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جن کے تحت قدیم ادب کے متون کو تلاش وترتیب کے بعد شائع بھی کیا گیا۔یقیناً ان اداروں نے اپنی اپنی نوعیت کے بھرپور کام سرانجام دیئے۔ان اداروں میں انجمن ترقی اُردو کو خاص اہمیت حاصل ہے۔اپنے قیام اور خصوصاً مولوی عبدالحق کی معتمدی کے بعد، اس انجمن نے بے شمار کارنامے سرانجام دیئے۔ہندوستان کے مختلف شہروں بشمول حیدرآباد دکن اس کی ذیلی شاخیں قائم کی گئی ہے، جس سے بھرپور علمی وادبی فضا پیدا ہوئی۔اورنگ آباد، دہلی اور پاکستان میں جس قدر خدمت اس انجمن نے انجام دی، وہ مولوی عبدالحق کی محنت شاقہ کی وجہ سے ممکن

ہوئی۔قدیم شعری ونثری متون کی دریافت اور پھران کی اشاعت کے سلسلہ میں انجمن ترقی اُردو کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔انجمن نے ہر دور میں (اورنگ آباد، دہلی، کراچی) علمی و ادبی ادارے کی حیثیت سے اُردو زبان و ادب کے فروغ میں اپنی تصنیفی وتالیفی سرگرمیاں جاری رکھیں۔کلاسیکی شعراء کے دواوین وکلیات کی تحقیق واشاعت، عالمی ادب کے تراجم اور اشاعت ایسے کارنامے ہیں جس سے اُردو زبان وادب کی تاریخ میں قابلِ قدر اضافے ہوئے۔ باغ و بہار (میرامن) رانی کیتکی کی کہانی (انشا) اخوان الصفا کے تراجم کی اشاعت انجمن ترقی اُردو کی بدولت ہی ممکن ہوئی۔کلاسیکی شعراء کے کلیات کی تدوین کے ساتھ ساتھ انجمن نے عام استفادے کے لیے کچھ شعراء کے کلام کا انتخاب بھی شائع کیا۔انتخاب کلامِ میرؔ،انتخاب داغؔ،انتخاب ذوقؔ وظفرؔ اورانتخاب جدید اسی اقدام کی مثالیں ہیں۔مولوی عبدالحق نے انجمن ترقی اُردو کے ذریعہ سے اپنی بیش تر تحقیقات وتدقیقات کو پیش کیا اورسب رس،قطب مشتری،گل عجائب،تذکرہ ریختہ گویاں، دیوان تاباں،مخزنِ نکات، چمنستانِ شعراء وغیرہ کو شائع بھی کیا۔ انجمن ترقی اُردو نے ہندوستان اور بعدازاں پاکستان میں قدیم شعری ونثری متون کی تصحیح وترتیب کے بعد درج ذیل متون کی اشاعت کا اہتمام کیا۔

دیوانِ بہرام (بہرام جی) مرتبہ مسلم ضیائی -- دیوانِ جوشش (جوشش عظیم آبادی) مرتبہ قاضی عبدالودود -- دیوانِ فائز (نواب صدرالدین محمد خاں فائز دہلوی) مرتبہ مسعود حسن رضوی ادیب -- دیوانِ یقیں (انعام اللہ خاں یقیںؔ) مرتبہ مرزا فرحت اللہ بیگ --تذکرہ شعرائے اُردو (میر حسن دہلوی) مرتبہ حبیب الرحمٰن شیروانی --گلزارِ ابراہیم معہ تذکرہ گلشنِ ہند (نواب ابراہیم خاں خلیل) مرتبہ ڈاکٹرمحی الدین قادری زور وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔

پاکستان میں بھی انجمن نے کئی قابلِ ذکر کاموں کو شائع کیا،ان میں مثنوی کدم راؤ پدم راؤ (نظامی دکنی) مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی -- دیوانِ شاہ تراب (شاہ تراب) مرتبہ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش -- مثنوی نل دَمن (احمد سراوی) مرتبہ ڈاکٹر سیّد عبداللہ-- گلشنِ ہمیشہ بہار (نصر اللہ خاں خویشگی) مرتبہ اسلم فرخی -- قطعہ منتخب (عبدالغفور نساخ) مرتبہ ڈاکٹر انصار اللہ نظر--شامِ غریباں (لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی) مرتبہ اکبرالدین صدیقی -- خالقِ باری (ضیاء الدین خسروشاہ) مرتبہ حافظ محمود شیرانی --مثنویاتِ شوق (مرزا محمد شوق) مرتبہ رشید حسن خاں وغیرہ وہ کارنامے ہیں جنھوں نے اپنے معیار اوراُردو زبان وادب کے فروغ کے حوالہ سے نہایت اہم مقام حاصل کیا۔

جامعہ عثمانیہ کے قیام (۱۹۱۷ء) سے حیدرآباد کے اُردوں داں طبقہ میں احساسِ تفاخر پیدا ہوا۔اس ادارہ نے طلبہ کی تعلیم وتربیت میں اہم کردار ادا کیا اور محققین کی ایک کثیر تعداد اس ادارہ کی پروردہ ہے۔قدیم متون کی ترتیب وتدوین کے حوالہ سے بھی اس جامعہ میں کئی کام ہوئے۔دیوان قیس کی تنقیدی تدوین (صالحہ بیگم) مثنوی گلدستہ کی تنقیدی تدوین (سیّد احمد علی قادری) مثنوی یوسف زلیخا کی تدوین (مہرسلطانہ) سب رس کی تدوین (حمیرہ

جلیلی) مثنوی خیابان کی تدوین (محمد کلیم الحق قریشی) ایسے نادر و نایاب کام اس جامعہ کے طلبہ نے سرانجام دیئے۔ اپنے آغاز سے ہی اس جامعہ نے اُردو زبان و ادب کے فروغ اور بہتری کے لیے کوششیں کیں۔ دوسری طرف جامعہ عثمانیہ فطری، تاریخی، تعلیمی، معاشرتی تبدیلی کے حوالوں سے ایک ناگزیر کردار کی حامل تھیں۔ جامعہ عثمانیہ کا تعلیمی و ثقافتی تجربہ اردو زبان کی اہمیت کا مظہر ہے۔ اردو زبان کی اس افادیت کو اُجاگر کرتا ہے جو زبان، تہذیب سازی اور قومیت کی تشکیل کے عمل کو انجام دیتی ہے۔

اس جامعہ کا ذریعہ تعلیم اُردو تھا۔ نصابی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ۱۹۱۷ء میں ایک ادارے ''دارالترجمہ'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ دارالترجمہ حیدرآباد کے اہم اداروں میں شمار ہوتا ہے، جہاں مشرقی اور مغربی علوم وفنون کی مختلف کتابوں کے اُردو ترجمے ہوئے اور اشاعت کا کام شروع کیا۔ ان تراجم میں فلسفۂ اسلام (مرزا ہادی رسوا) حکایتِ فلسفہ (احسان احمد) مختصر تاریخ فلسفہ یونان (ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم) تاریخ فلاسفہ الاسلام (ڈاکٹر میر ولی الدین) تاریخ یورپ (حیدر یار جنگ نظم طباطبائی) اسلامی فنِ تعمیر ہندوستان (سیّد ہاشمی فرید آبادی) بدھ متی بند (ڈاکٹر سیّد سجاد) تاریخ تمدّنِ ہند (پروفیسر محمد مجیب) تاریخ دکن عہد حالیہ (ڈاکٹر یوسف حسین خان) وغیرہ کو بطورِ مثال و معیار یہاں پیش کیا گیا ہے۔ مولوی عبدالحق نے اپنے دورِ نظامت میں مختلف زبانوں کی علمی و ادبی کتابوں اور اصطلاحات کے اُردو میں تراجم کئے اور متعدد مولانا عبدالمجید دریا آبادی، علامہ نظم طباطبائی، مولانا ظفر علی خاں، مرزا ہادی رسوا، مولانا عبدالحلیم شرر، جوش ملیح آبادی، الیاس برنی وغیرہ ابتدائی دور سے ہی دارالترجمہ کے ساتھ منسلک رہے۔ حیدرآباد میں فروغِ علم کی جدوجہد میں دارالترجمہ اور جامعہ عثمانیہ نے ابتدائی نوعیت کے بامعنی کام کئے۔ اُردو ذریعۂ تعلیم اور اُردو میں نصابی کتب کی فراہمی ایسی خواہشات انہی اداروں کے باعث شرمندۂ تعبیر ہوئیں۔ دارالترجمہ کے لیے بنائے جانے والی معاون کمیٹیوں میں سب سے اہم مجلسِ وضع اصطلاحات تھی۔ اُردو زبان میں تراجم شدہ کتب کی کمی کو پورا کرنے میں اس ادارہ نے بھرپور معاونت کی۔ مجلس وضع اصطلاحات نے اصطلاحات کی کمی کو دور کرتے ہوئے مترجمین کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا کیں۔ یوں کئی لاکھ اصطلاحات کا انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور فارسی سے ترجمہ کیا گیا۔ مولوی عنایت اللہ، مولانا عبداللہ العمادی، مولانا ابوالخیر مودودی، وحیدالدین سلیم نے اصطلاحات سازی کے میدان میں اپنی خدمات کو بھرپور انداز میں پیش کیا۔

ادارہ ادبیاتِ اُردو زبان و ادب کی خدمت خصوصاً دکنی ادب کے محافظ مرکز کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی بے شمار تحقیقی و تدوینی کتب کی طرح اس ادارہ کا قیام بھی ان کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ اِس ادارہ (ادارہ ادبیاتِ اُردو) نے بھی قدیم دکنی شہ پاروں کو صدیوں کی گرد سے نکال کر اُردو داں طبقے سے متعارف کرانے اور شائع کرنے کا کام بڑی خوبی سے سرانجام دیا۔ اس ادارہ سے بڑی تعداد میں مفید اور

کارآمد ادبی، علمی، تاریخی وتنقیدی کتابیں شائع ہوئیں۔ان میں تاریخ گولکنڈہ (پروفیسر عبدالمجید صدیقی) نظام الملک آصف جاہ اوّل (شیخ چاند) مکّہ مسجد (معین الدین رہبر فاروقی) میر مومن (ڈاکٹر سیّد محی الدین قادری زور) متاعِ سُخن (ڈاکٹر محی الدین قادری زور) مدارس میں اُردو (نصیرالدین ہاشمی) اُردو مثنوی کا ارتقا (عبدالقادری سروری) مرقع سخن، جلد اوّل ودوم (ڈاکٹر محی الدین قادری زور) مشاہیر قندھار دکن (محمد اکبر صدیقی) عماد الملک (فیض محمد) اعظم الامرا ارسطو جاہ (عبدالمجید صدیقی) وغیرہ انتہائی اہم کوششیں ہیں بلکہ عام لوگوں کو اُردو سکھانے اور ان میں ادبی ذوق پیدا کرنے میں معاونت کے لیے ایک عمدہ کتب خانہ قائم کیا گیا۔

مخطوطات اور قدیم متون کی تدوین و اشاعت کے سلسلہ میں ''مجلس اشاعت دکھنی مخطوطات'' کی خدمات بھی قابل ذکر ہیں۔مسلمان امراء اور اراکین دولت عثمانیہ کو کتب خانوں کے قیام اور مخطوطات ونوادر جمع کرنے کا خاص ذوق رہا ہے۔ان کے کتب خانوں میں موجود مخطوطات کو ادبی دنیا میں روشناس کرانے کے لیے ۱۹۳۵ء میں اس ادارے کا آغاز کیا گیا۔مجلس اشاعت دکھنی مخطوطات نے دکنی ادب اور مخطوطات کی اشاعت میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔اِن کتب میں کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ (مرتبہ ڈاکٹر سیّد محی الدین قادری زور) کلام الملوک (مرتبہ میر سعادت علی رضوی) مثنوی سیف الملوک بدیع الجمال (میر سعادت علی رضوی) پھول بَن، قصّہ بے نظیر، کلیاتِ سراج اورنگ آبادی (مرتبہ عبدالقادر سروری) گلشنِ عشق (مرتبہ پروفیسر سیّد محمد) وغیرہ نے نہ صرف مجلسِ اشاعت دکھنی مخطوطات کی اہمیت میں اضافہ کیا بلکہ قدیم متون کی ترتیب سے ادبی دنیا کو نئے جہانوں سے بھی آشنا کیا کئی اہم اور نادر مطالعے پہلی بار اس ادارے کی جانب سے پیش کئے گئے۔دراصل یہ ادارے اور ان سے منسلک لوگ ہی اُردو کے اصل محسن ہیں جنھوں نے ہر محاذ پر اُردو کی بہتری کے لیے کام کیا۔ان اداروں نے قدیم اُردو کے نایاب ذخیرے کی بازیافت ہی نہیں کی بلکہ جدید رجحانات کو بھی پروان چڑھایا۔اُردو کی ترقی اور ترویج کے لیے جس قدر کام بیسویں صدی کی پہلی چار دہائیوں میں انجام پائے وہ بے مثل ہے۔محققین کی ایک کثیر تعداد نے انسانی جذبے اور خلوص سے قدیم ادب کے دفن شدہ خزانے کو ایک ترتیب کے ساتھ پیش کیا۔بلاشبہ ان دقت طلب کاموں کے لیے ان محققین نے شبانہ روز محنت کی۔

اُردو تحقیق اور بالخصوص قدیم ادب کی تلاش کا عہد زریں ان محققین اور اداروں کی خدمات سے انکار نہیں کر سکتا۔خصوصاً ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے جس طرح شاگردوں کی تربیت کی، رسائل کا اجراء کیا اور مختلف اداروں کو بنانے اور مصروفِ عمل رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔ادبی وتحقیقی میدان میں دوسرے محققین کے لیے اتنی بڑی کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایک جنم یقیناً کم ہوگا۔ان تمام محققین، اداروں کی خدمات کے ساتھ ساتھ اس حکمران (میر عثمان علی خاں) کی خدمات بھی لائق تحسین ہیں جس نے اپنی وسعت قلبی اور ادبی دلچسپی کے باعث ہر

طرح کی سہولیات یہاں مہیاں کیں اور اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانے میں اہم اور کلیدی کردار ادا کیا۔ میر عثمان علی خاں آصف سابع خود بھی اعلیٰ شعری ذوق رکھتے تھے اور علمی و ادبی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور سرپرستی فرماتے ،جس کے باعث اُردو ایک بڑی اور خود مختار زبان بننے میں کامیاب ہوئی۔

حیدر آباد قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے ساتھ ساتھ علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا مرقع رہا ہے۔ ۱۷۲۴ء سے ۱۹۴۸ء تک آصف جاہی فرماں رواں نے دکن کے وسیع و عریض حصہ پر مسلم اقتدار کی شان دار روایت قائم کی۔ اس خاندان کا اقتدار دوسرے حکمراں خاندانوں سے زیادہ درخشاں، جدید، اور تاریخ ساز تھا۔ آصف جاہ اوّل سے لے کر آصف جاہ سابع تک سبھی حکمرانوں نے سیاسی، سماجی، معاشی اور علمی و ادبی اور زندگی کے ہر میدان میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ ان شاہان کے ہاں سامانِ حرب کے ساتھ ساتھ ذوقِ شعری بھی زندہ جاوید رہا۔ تمام حکمرانوں نے شعراء و علماء کی سرپرستی اور ہر طرح کی مالی اعانت فرمائی۔ نہ صرف جنوبی ایشیا بلکہ تمام عالم اسلام میں اس ریاست کی فیاضی کے قصّے مشہور ہیں۔ ریاست کے حکمرانوں نے بلا امتیاز نسل و قوم اور مذہب خدمات سرانجام دیں اور اُردو کے فروغ اور نشو و نما کا بیڑا اٹھایا۔ اسی لیے ہر زمانہ میں اہم شعراء درباروں سے وابستہ رہے۔ مملکت آصفیہ نے اپنے قیام (۱۷۲۴ء) سے اپنے سقوط تک نہ صرف اس روایت کو جاری رکھا بلکہ اسے مزید استحکام بخشا۔ چنانچہ مسلم ہندوستان اور برطانوی ہند کی کوئی ریاست اس بڑے پیمانہ پر علمی سرپرستی، فروغ ادب و ثقافت، علماء و فضلاء اور ادیبوں و شاعروں کی امداد و اعانت اور علمی و تعلیمی اداروں کے قیام اور ان کی بقاء کے لیے اس کی کوششوں میں اس کے ہم پلہ نہیں۔ یہاں تک کہ بیرونی دنیا کے اسلامی اداروں اور مملکتوں تک بھی اس کی امداد کا سلسلہ اس کے سقوط تک جاری رہا۔(۹) میر محبوب علی خاں آصف سادس اور میر عثمان علی خاں آصف سابع کے ادوار میں شعراء ادباء کی بھرپور قدر افزائی ہوئی۔ خصوصاً میر عثمان علی خاں کا دورِ حکومت کسی اور وجہ سے نہیں تو اُردو کی ترقی ہی کے لیے دورِ زریں کہلانے کا حق دار ہے۔ دہلی اور لکھنؤ ایسے علمی مراکز زوال کا شکار ہوئے تو وہاں سے ہجرت کرنے والے ادباء کی حیدر آباد دکن نے ہر طرح سے پذیرائی کی۔ میر عثمان علی خاں کے دور میں حیدر آباد نے بہت ترقی کی۔ انھیں حیدر آباد جدید کا بانی کہا جاتا ہے اور یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے۔ میر عثمان علی خاں باوجود اپنی دوسری کمزوریوں کے ایک علم دوست، وسیع النظر اور روشن خیال حکمران رہے ہیں۔ حیدر آباد کو ہندوستان میں مرکزیت اور تہذیبی، ثقافتی اور علمی منطقہ بننے کا جواز حاصل ہوا۔ وہ انہی کی علم دوستی اور معارف پروری کا رہین منت ہے۔(۱۰)

میر عثمان علی خاں نے حیدر آباد کو اقتصادی اور تعلیمی حوالوں سے انتہائی مستحکم بنیادیں فراہم کیں۔ انھوں نے بیک وقت مساجد، مندروں، گردواروں، تعلیمی و فلاحی اداروں کے تحفظ، بقاء اور ترقی کے لیے ہر ممکنہ امداد دی۔ عثمان علی خاں کے ذریعہ سے عالمِ اسلام میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے اداروں، علوم شرقی، دیگر سماجی علوم کے

اداروں کو بھر پور مدد ملتی تھی۔ ان اداروں میں مدرسہ فخر یہ مکہ شریف، مدرسہ صولیتہ مکہ شریف، مدرسہ عثمانیہ مدینہ منورہ، انجمن موئد الاسلام فرنگی محل لکھنؤ، مدرسہ فرنگی محل لکھنؤ، ایک آنہ فنڈ لکھنؤ، مدرسہ نظامیہ دہلی، مدرسہ اسلامیہ عربیہ علی گڑھ، دار المصنفین اعظم گڑھ، مدرسہ اسلامیہ جامعہ مسجد علی گڑھ، مدرسہ سبحانیہ الہٰ آباد، انجمن اسلامیہ گورکھ پور، مدرسہ اسلامیہ مراد آباد، انجمن اسلامیہ بمبئی، مدرسہ ارشاد العلوم، مدرسہ حدیث شریف رام پور، مدرسہ دینیات دیوبند، مدرسہ دینیات اجمیر شریف، مدرسہ مظہر العلوم سہارن پور، مسجد امراوتی، مسجد بدایوں، مدرسہ شمس الاسلام بدایوں، انجمن صوفیہ مدراس، محمدیہ اسکول مدراس، کولہ پور اسکول بمبئی، مدرسہ محمدیہ اٹاوہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ، انجمن حمایت اسلام لاہور، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ مسجد نظامیہ لندن، انجمن ترقی اُردو، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس بنگلور، انجمن اوراق متبرکہ حیدر آباد، انجمن حمایت اُردو کان پور، انجمن ہلال احمر، انجمن ترقی تعلیم امرتسر، دائرۃ المعارف الاسلامیہ لاہور، مدرسہ دیو بند جامعہ ملیہ دہلی، زنانہ کالج علی گڑھ، اسلامیہ کالج کلکتہ، ڈومیسٹک سائنس کالج دہلی، بادشاہی مسجد لاہور، وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی امداد کا سلسلہ مسلم اداروں تک محدود نہیں تھا بلکہ اس سے سکھوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کے تعلیمی ادارے بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (پٹنہ) بنارس یونیورسٹی، شانتی نکتین، ابھیشا گھر، ہندو کھوش آشرم، مدرسہ اطفال سکھان حیدر آباد، وسیلین مشن ہائی اسکول سکندر آباد، اینگلو عربک ہائی اسکول، دہلی، مسلم اینگلو اسکول کھال گاؤں وغیرہ شامل ہیں۔ ان اداروں کے علاوہ مختلف مطابع و اخبارات شہر دکن، شوکت الاسلام، محبوب النظائر، محبوب الاحکام، تزک عثمانیہ، اسلامک کلچر کے مالکان کی امداد کی۔ انھوں نے کئی کتابوں کی اشاعت میں بھی خصوصی دلچسپی لی۔ سیرۃ الملوک، تاریخ ہند، ہندی مخطوطات، تاریخ دستور انگلستان، کتاب نور، تاریخ جمہور روما، رنجیت سنگھ، تاریخ یورپ، آئین صدارت، اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن، علم الاخلاق، جامعہ الفوائد، وغیرہ ایسی بے شمار کتب کے نہ صرف اشاعت کے اخراجات برداشت کیے بلکہ ان کی کثیر تعداد میں خرید بھی فرمائی۔

میر عثمان علی خاں نے ہندوستان اور باہر کی دنیا کے ہر خطہ کی مدد فرمائی۔ پاکستان کے قیام کے وقت امداد، بصرہ میں مسجد کی تعمیر، بہادر شاہ ظفر کی یادگار کی تعمیر، مزار علامہ محمد اقبال کے لیے امداد، فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کی امداد، پاکستان میں پیپر مِل کے قیام میں بھر پور تعاون اور مہابھارت کی اشاعت ان کی سخاوت کے مُنہ بولتے ثبوت ہیں۔ بیشتر مملکتیں، ادارے اور اشخاص ان کے دست سخا سے فیض یاب ہوتے تھے۔ اس ریاست میں علماء وفضلاء کی سرپرستی کے سلسلہ میں میر عثمان علی خاں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ چھوڑا۔ ان علماء وفضلا میں مولانا شبلی نعمانی، مرزا شاکر طبرانی، مولوی ابو محمد عبد الحق، سید کاظم حسین، مولوی حسن الزماں، حکیم عبد الرحمٰن سہارنپوری، محمد عظیم الدین، مولوی منور خاں گوہر، مولوی دلاور علی دانش، سیّد حمزہ مدنی، مولوی عبد الرؤف شوق، منشی پیارے لال، حافظ عبد اللطیف

بھوپالی، مناظر احسن گیلانی، مولوی عبدالوہاب عندلیب، شاہ محمد معصوم مدنی، مولوی احمد سعید دہلوی، مولوی سیّد سبط حسن، عبدالماجد، حکیم شمس اللہ قادری، مولوی عبدالقدیر، محمد یوسف نیر، مولوی عبدالقدیر وغیرہ ایسے جیّد علماء کو اس ریاست میں تمام تر آسائش حاصل تھی۔

مذہب اور شعروادب سے دلچسپی بھی ان حکمران کا خاصہ رہا ہے۔ بہمنی عہد سے آصف سابع میر عثمان علی خاں تک سبھی شاہان کے درباروں سے شعراء وابستہ رہے بلکہ ان میں سے کئی خود بھی شعر کہنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ میر محبوب علی خاں کے دور میں داغ حیدرآباد آئے۔ میر عثمان علی خاں کے دور میں بھی شعراء وادباء کی خوب پذیرائی ہوئی۔ ان میں نظم طباطبائی، فانی بدایونی، جلیل مانک پوری، جوش ملیح آبادی، یاس یگانہ چنگیزی، حبیب کنتوری، ضامن کنتوری، رتن ناتھ سرشار، ظہیر دہلوی، میکش تھانوی، راز دہلوی، فکر کانپوری، اختر مینائی، ضیغم لکھنوی، صدق جائسی، بزم اکبرآبادی، نجم آفندی، صفی اورنگ آبادی، عبدالحلیم شرر، خواجہ حسن نظامی، حفیظ جالندھری، مولوی شمس الدین، مولانا ظفر علی خاں، سکندر علی وجد، مخدوم محی الدین، رضی الدین کیفی، الطاف حسین حالی، علامہ محمد اقبال، شاہ نصیر وغیرہ شعراء کو اس ریاست سے وظائف ملتے رہے۔ ان شعراء کی خدمات حیدرآباد کی ادبی روایت کا تابناک حصہ ہیں۔ یقیناً میر عثمان علی خاں کی ذاتی دلچسپی اور سخاوت کے باعث یہ تمام کام ممکن ہو سکے۔ علماء وفضلاء اور ادیبوں اور شاعروں کی امداد واعانت اور علمی وتعلیمی اداروں کے قیام اور ان کی بقاء کے لیے آصف سابع نے مقدور بھر کوششیں کیں۔ ملک کے گوشے گوشے سے صاحبِ علم وفہم امراء یہاں جمع تھے۔ انھوں نے جہاں مختلف اداروں اور شعراء وعلماء وفضلاء کی قدر افزائی کی وہیں انھوں نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے طلباء کو یورپ کی جامعات میں تدریس کے لیے مملکت کے اخراجات پر روانہ کیا۔ جنھوں نے اپنی اعلیٰ کارکردگی کے باعث اُردو کے فروغ کے سلسلہ میں بے مثال کارنامے سرانجام دیئے۔ میر عثمان علی خاں نے اپنے دور میں نہ صرف جنوبی ایشاء کے ممالک بلکہ دیگر دنیا کے کئی ممالک کی دل کھول کر مدد کی۔ جو تاریخ میں اس ریاست کے روشن اور تابناک دور کی یادگار کے طور پر ہمیشہ موجود رہے گا۔ (۱۱)

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جس عظیم ریاست کے احسانات اقطاع عالم پر ابرِ رحمت بن کر برستے رہے وہ محتاج محض ہو کر رہ گئی۔ آصفیہ خاندان کا دوسو سالہ اقتدار ختم ہو گیا۔ بھارتی تسلط کے نتیجہ میں حیدرآباد کی تاریخ کا وہ دردناک لمحہ بھی آیا کہ مملکتِ بے مثال کے آخری تاج دار، یاروفادار، ایک عام شہری کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔ دنیا کا امیر ترین آدمی مسائل ومصائب کا شکار ہو گیا۔ یوں یہ آزاد وخود مختار ریاست ۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن کے ذریعہ حکومت ہندوستان کا حصہ بن گئی۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''حیدرآباد کی مملکت اب صفحۂ ہستی سے مٹ گئی ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت

کے خاتمہ کے بعد یہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی آخری یادگار تھی۔ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، ثقافت و شائستگی اور محبت و رواداری کی ساری روایات اس میں محفوظ تھیں۔''(۱۲)

نہ صرف میر عثمان علی خاں آصف سابع بلکہ بہمنی دور حکومت سے ہی اس خطہ میں علم و ادب اور مشاہیر کی قدر افزائی کی گئی۔ لیکن جس قدر ترقی آصف سابع کے دور میں ہوئی وہ عدیم المثال ہے۔ انھوں نے وقت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے نہ صرف عوام کا معیار زندگی بلند کیا بلکہ اُردو زبان کی ترقی و ترویج کے لیے تمام وسائل کو بروئے کار لایا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں ان کے اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ ہی جہاں حیدرآباد ایک ہمدرد بادشاہ سے محروم ہو گیا وہیں حیدرآباد اور عالم اسلام میں ریاست کے زیر سایہ چلنے والے ادارے زوال پذیر ہونے کے بعد بالآخر ختم ہو گئے۔ علم و ادب کی سرپرستی کا آخری سہارا بھی ختم ہوا۔ انھوں نے اپنے زمانہ اقتدار میں حیدرآباد کے آثار قدیمہ کی حفاظت، دکھنی اُردو کی ترویج، قدیم شعراء و نثر نگاروں کے شہ پاروں کی تلاش و تحقیق کے لیے یکساں مواقع فراہم کئے۔ یہ سبھی مواقع سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے ساتھ ہی اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ دفتروں اور اداروں سے اُردو زبان کو خارج کر دیا گیا۔ نصیر الدین ہاشمی اس حوالہ سے رقم طراز ہیں:

''جامعہ عثمانیہ اُردو زبان کی ترقی کی وہ منزل تھی جہاں یہ کارواں صدیوں کے مراحل سفر طے کرنے کے بعد پہنچا تھا۔ جامعہ عثمانیہ کے عالم وجود میں آ جانے کے بعد حیدرآباد پر جو علمی فضا چھائی تھی وہ ادب اُردو کے لیے ایک نہایت پرشان و شکوہ مستقبل کی کفیل تھی۔ لیکن ۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن کے بعد یہ اُمید ختم ہو گئی تھی کہ اُردو کی روایات اب پائیدار اور استوار رہ سکیں۔ جامعہ عثمانیہ سے جس طرح اُردو کو خارج کر دیا گیا ہے وہ چشم بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔''(۱۳)

حیدرآباد پر بھارتی حکومت کے تسلط کے ساتھ ہی تمام تحقیقی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں۔ افراد اور اداروں کی امداد اور وظائف موقوف ہو گئے۔ سرکاری طور پر اُردو کو محض ایک مضمون کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ تحقیق کی سرگرمیاں سرکاری طور پر تو نہیں البتہ نجی اداروں کی حد تک جاری رہیں۔ حیدرآباد کے زوال (۱۹۴۸ء) کے بعد جب اُردو کو جامعہ عثمانیہ جیسے ادارے سے بے دخل کر دیا گیا تو اس سے متعلق افراد اور ادارے یقیناً زوال کا شکار ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں ہندوستان میں ریاستوں کی لسانی بنیاد پر تنظیمِ جدید عمل میں آئی تو ریاست حیدرآباد کو تین علاقوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ کرناٹک کا علاقہ کنڑی زبان کی بنیاد پر میسور ریاست میں شامل کر دیا گیا۔ مرہٹواڑہ کا علاقہ مرہٹی زبان کی بنا پر مہاراشٹر میں شامل ہو گیا۔ تلنگانے کا علاقہ تلنگی زبان کی بنا پر آندھرا پردیش میں شامل کر دیا گیا اور آندھرا پردیش کی نئی ریاست وجود میں آئی۔ جس کا صدر مقام حیدرآباد کو قرار دیا گیا۔(۱۴) اس تبدیلی سے اُردو کی مرکزیت بالکل ختم ہو گئی جب کہ علاقائی زبانوں کو تقویت ملی اور ان کے استعمال کا رجحان بڑھا۔

حیدر آباد کی علمی و ادبی فضا اہم اور نمائندہ ادیب و انشاء پرداز موجود ہونے کے باعث دوسری ریاستوں سے بہتر رہی۔حیدر آباد میر عثمان علی خاں کے دور میں ترقی یافتہ شہروں کی تمام خصوصیات حاصل کر چکا تھا۔اُردو نظم و نثر کے آغاز کے حوالہ سے اوّلیت سرزمین دکن کو حاصل ہے۔میر عثمان علی خاں کے دور میں قدیم شعراء و مصنفین کے شہ پاروں کی تلاش کا سلسلہ با قاعدگی سے سرکاری اور نجی سطح پر شروع ہوا جس کے مثبت اثرات زندگی کے ہر شعبہ پر پڑے۔اُردو تحقیق کی روایت میں دبستان دکن کے محققین کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔قدیم دواوین اور مثنویوں کی تلاش اور ترتیب عہد عثمانی کا عظیم تحقیقی کارنامہ ہے جس میں لطف الدولہ ریسرچ اورینٹل انسٹی ٹیوٹ مجلس اشاعت دکھنی مخطوطات، انجمن ترقی اُردو، جامعہ عثمانیہ، دارالترجمہ، ادارہ ادبیات اُردو، مجلس تحقیقات اُردو، اُردو ریسرچ سنٹر، دائرۃ المعارف، ایسے اداروں نے بنیادی کردار ادا کیا۔ان اداروں کا قیام حیدر آباد کے شاہان کی علمی بصیرت کا نتیجہ ہے۔زوالِ حیدر آباد سے پہلے اُردو کو سرکار کی طرف سے ہر طرح کی سرپرستی حاصل تھی۔حیدر آباد پر بھارت کا قبضہ ہونے کے بعد وہاں تحقیق و تنقید کا سلسلہ ماند پڑ گیا۔تاہم چند اداروں نے اُردو زبان و ادب اور تحقیق کے حوالہ سے کئی سنگِ میل عبور کیے اور زوالِ حیدر آباد سے ماند پڑ جانے والی علمی و ادبی سرگرمیوں کو نئی زندگی عطا کی۔ان اداروں میں اُردو مجلس (۱۹۵۳ء)، انسٹی ٹیوٹ آف انڈو مڈل ایسٹ کلچرل اسٹڈیز (۱۹۵۵ء) آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈیمی (۱۹۵۷ء) ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (۱۹۵۹ء) ادبی ٹرسٹ (۱۹۶۶ء) ایچ ای ایچ وی نظامس اُردو ٹرسٹ (۱۹۶۸ء) اُردو اکیڈمی آندھرا پردیش (۱۹۷۵ء) وغیرہ شامل ہیں۔ان اداروں نے تحقیق کے ساتھ ساتھ اشاعت کتب کے حوالہ سے بھی نہایت اہم کام انجام دیئے۔

یہ حقیقت ہے کہ زوالِ حیدر آباد کے بعد ہر طبقہ انسانی میں دُکھ کی لہر سے جمود پیدا ہو گیا تھا۔تاہم علمی و ادبی سطح پر اس صورت حال کا سامنا ڈاکٹر محی الدین قادری زور، نصیر الدین ہاشمی، پروفیسر سیّد محمد ایسے لوگ ہی کر سکے جنھوں نے اس سانحہ کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ عوام اور ادبی حلقوں میں تحرک کا باعث بھی بنے۔اس بات کا اندازہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔

> ''ملک کے متبدلہ حالات کے پیش نظر ضرورت ہے کہ اس کے (اُردو) معیار کو بلند کیا جائے اور اس میں ایسے مضامین نظم و نثر شائع ہوں جن سے حیدر آباد کے علمی و ادبی نشو و نما کی نہ صرف نمائندگی ہو بلکہ حیدر آباد اور ہندوستان کے دل دادگان اُردو کو یہ معلوم ہو سکے کہ تقسیمِ ہند کے بعد بھی ہندوستان میں اُردو کے اعلیٰ پایہ ادیب اور انشاء پرداز موجود ہیں اور اس زبان کی ترقی اور بقاء کے لیے حسب سابق سرگرمِ عمل ہیں۔''(۱۵)

زوالِ حیدر آباد کے بعد وہاں کا سارا منظر نامہ ہی بدل گیا۔جہاں ہر جگہ اُردو کا راج تھا وہاں اب انگریزی اور تیلگو نے لے لی تھی۔اس تمام صورتِ حال کے باوجود حالات معمول پر آنا شروع ہوئے، مختلف رسائل

اور مشاہیر نے اپنی محنت سے ایک بار پھر لوگوں کو اُردو کی جانب راغب کیا۔ وہاں مشاعروں کا سلسلہ گو کہ ترقی پسند ادباء نے شروع کیا بعدازاں عام مشاعرے بھی ہونے لگے۔ جس سے علمی و ادبی انجمنیں پھر آباد ہوگئیں اور لوگوں کا ذوق وشوق بڑھا۔

حیدرآباد میں اُردو زبان و ادب اور قدیم ادب کی تلاش کا سلسلہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے تربیت یافتہ شاگردوں نے جاری رکھا۔ تاہم اُردو میں تحقیق کی رفتار ضرور متاثر ہوئی۔ لیکن کُہنہ مشق محققین نے ماضی کی شاندار روایات کو برقرار رکھا۔ فہرست سازی، سوانح عمریوں، تواریخ ادب، لغت نویسی، متون کی تصحیح و ترتیب اور تلاش و بازیافت کا سلسلہ بعد کی نسل نے بخوبی نبھایا۔

زوالِ حیدرآباد کے بعد انفرادی اور اجتماعی سطح پر تحقیقی کام جاری رہے جس کے باعث قدیم اُردو کے بہت سے مستند و معتبر حوالے ترتیب و تدوین کے بعد منظرِ عام پر آئے۔ مختلف جامعات میں بھی قدیم ادب کے حوالہ سے کئی قابلِ قدر کام سامنے آئے۔ نہ صرف حیدرآباد بلکہ ملک کے دیگر حصوں کے محققین نے بھی اس ذخیرہ میں اہم اضافے کیے۔ ان تحقیقی کاموں میں چندر بدن و مہیار (محمد اکبرالدین صدیقی) رضواں شاہ و روح افزا (سید محمد) دیوان داؤد اورنگ آبادی (ڈاکٹر خالدہ بیگم) علی نامہ (پروفیسر عبدالمجید صدیقی) پنچھی باچھا (سید محمد) کلیات غواصی، ابومحمد غواص (محمد بن عمر)، دیوان عشق (اکبرالدین صدیقی)، دیوان ہاشمی (ڈاکٹر حفیظ قتیل) کلمۃ الحقائق (محمد اکبرالدین صدیقی) کلمۃ الحقائق (ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ) شکایت نامہ (ڈاکٹر ثمینہ شوکت) کلیات شاہی (ڈاکٹر زینت ساجدہ)، من سمجھاون (ڈاکٹر سیّدہ جعفر) لیلیٰ مجنوں (ڈاکٹر غلام محمد عمر خاں) سکھ رنجن (پروفیسر سیّدہ جعفر) تاج الحقائق (ڈاکٹر نورالسعید اختر) ارشاد نامہ (اکبرالدین صدیقی) پھول بن (اکبرالدین صدیقی) کلمۃ الاسرار (ڈاکٹر حمیرہ جلیلی) کلام معظم بیجاپوری (ابوالنصر خالدی) کلیات سراج اورنگ آبادی (عبدالقادر سروری) یوسف زلیخا (ڈاکٹر سیّدہ جعفر) کلیات قلی قطب شاہ (ڈاکٹر سیّدہ جعفر) سیّد شاہ امین الدین اعلیٰ (ڈاکٹر حسینی شاہد) شاہ معظم (ڈاکٹر حسینی شاہد) دکنی میں ریختی کا ارتقاء (بدیع حسینی) غواصی شخصیت و فن (محمد علی اثر) میر شمس الدین فیض (لئیق صلاح) دکھنی کی ابتداء (ڈاکٹر آمینہ خاتون) مدراس میں اُردو ادب کی نشوونما (افضل الدین اقبال) شکار نامہ (ڈاکٹر ثمینہ شوکت) تاج الحقائق، نقوشِ ادب (ڈاکٹر نورالسعید اختر)۔ ان کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علمی مراکز کے محققین نے بھی قدیم ادب کی بازیافت میں بھرپور حصہ لیا۔ کتاب نورس (ڈاکٹر نذیر احمد) معراج العاشقین (خلیق انجم) معراج العاشقین (گوپی چند نارنگ) ابراہیم نامہ (پروفیسر مسعود حسین) دکنی لغات (سیّد ابوتراب خطائی) سب رس کا قصّہ حسن و دل (ڈاکٹر جاوید وشسٹ) بیجاپور کی اُردو مثنویاں (ڈاکٹر قیوم صادق) اُردو کی نثری داستانیں (ڈاکٹر گیان چند جین) وغیرہ وہ قابل ذکر کارنامے ہیں جو زوالِ حیدرآباد کے بعد علمی و ادبی حلقوں میں

پیش کئے گئے۔ یہ کوششیں سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر کی گئیں۔ یونیورسٹیوں میں بھی قدیم ادب کے حوالے سے مقالات مختلف ڈگریوں کے حصول کے لیے لکھے گئے ہیں۔ یوں ان محققین کی محنت کے باعث دکنی قواعد اور فرہنگ نویسی کے حوالہ سے چند نہایت اہم تالیفات پیش ہوئیں جن کی مدد سے دکنی ادب کا مطالعہ نہ صرف ممکن ہوا بلکہ ذخیرۂ الفاظ میں بھی اضافہ ہوا۔ ان لغات میں، دکن کی زبان (عارف العلائی) دکنی لغات (سیّد ابوتراب) دکنی لغت (سیّد ستّار احمد ہاشمی) دکنی فرہنگ (امیر عارفی) دریائے معانی (جاوید وشسٹ) قدیم اُردو کی لغت (جمیل جالبی) دکنی اُردو کی لغت (ڈاکٹر مسعود حسین خاں اور ڈاکٹر غلام عمر خاں) دکنی قواعد کے موضوع پر ڈاکٹر حبیب اللہ کی کتاب ''دکنی زبان وقواعد'' اہم ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قدیم ادب پاروں کی توضیح اور تحسین کے سلسلہ میں وضاحتی فہرستیں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اُردو میں قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرستوں کی ترتیب کا سہرا حکیم شمس اللہ قادری، محی الدین قادری زور، عبدالقادر سروری، نصیر الدین ہاشمی کے سر ہے جنھوں نے جامعہ عثمانیہ کتب خانہ سالار جنگ، انڈیا آفس لائبریری کتب خانہ آصفیہ، عجائب خانہ، اسٹیٹ سنٹرل لائبریری، جامعہ نظامیہ اور سنٹرل ریکارڈ آفس کے مخطوطات کی فہرستیں مرتب کیں۔

مجموعی حیثیت میں سقوطِ مملکت حیدآباد کے بعد دکنیات کے مطالعے اور تحقیق کی روایت ترقی پذیر رہی۔ دکنیات کی ذیل میں قدیم متون کی تلاش وترتیب، تاریخ وسوانح، دکنی اُردو کے حوالہ سے لغات کی ترتیب، دکنی زبان وادب کی ضخیم اور علاقائی تواریخ، دکن سے متعلق تذکرے، مختلف لائبریریوں میں موجود مخطوطات اور دکنی ادب سے متعلق کتب کی فہرست سازی، اداروں اور تحقیقی وتنقیدی مجلّات کے اجراء اور دکنیات کے مطالعہ وتحقیق کے باعث اُردو زبان وادب کے ذخیرے میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

حیدرآباد دکن میں تحقیق کی جس روایت کا آغاز بابائے اُردو مولوی عبدالحق نے کیا اور جسے حکیم شمس اللہ قادری، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، نصیر الدین ہاشمی وغیرہ نے تقویت دی، اسی روایت کو بعد ازاں ان محققین کی پروردہ قابل فخر نسل اکبر الدین صدیقی، مبارز الدین رفعت، ابونصر خالدی، حفیظ قتیل، حسینی شاہد، زینت ساجدہ، مسعود حسین خاں، رفیعہ سلطانہ، غلام عمر خاں، حمیرا جلیلی، ثمینہ شوکت، سیّدہ جعفر، لئیق صلاح افضل الدین اقبال، ڈاکٹر نور السعید اختر، داؤد اشرف اور بالخصوص محمد علی اثر نے نہ صرف سنبھالا بلکہ اعلیٰ اور معیاری تحقیقات سے اُردو زبان وادب اور قدیم ادب کے ذخیرہ میں بے پناہ اضافہ کیا۔ یہ حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ محققین کی اس قدر تعداد شاید ہی کسی ریاست کے علمی وادبی کارناموں کی دریافت میں مصروف نظر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے محققین نے اُردو تحقیق کی روایت کو نئے جہانوں سے آشنا کیا۔

دکنی ادب کی بازیافت کا سلسلہ قریب قریب دوصدیوں سے جاری ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کے کُہنہ

مشق محققین کے علاوہ جامعات میں نوجوان محققین اور اساتذہ، قدیم ادب کے مختلف گوشوں کی تلاش و ترتیب میں مصروف ہیں۔ تاریخ و کلچر، تذکرہ وسوانح اور قدیم مخطوطات کو ضخیم اور پُر مغز مقدمات کے ساتھ شائع کرنے کا سلسلہ عہد حاضر کے محققین میں بھی بدرجہ غایت موجود ہے۔ علم و تحقیق سے متعلق ادارے اور اس کے فروغ کے لیے مختلف رسائل اپنی پوری آب و تاب سے جاری ہیں۔ اب کے جدید حیدرآباد میں بھی اُردو کو استحکام حاصل ہے۔ جو صرف دکنی اور اُردو شعر و ادب کے فروغ اور ترویج میں دلچسپی رکھنے والے شعراء، ادباء اور محققین کے باعث ممکن ہوا۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ حکیم شمس اللہ قادری۔ از میر احمد علی، حیدرآباد دکن لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، جون ۱۹۲۶ء ص ۲۰۹-۲۱۰

۲۔ مجید بیدار، ڈاکٹر۔ مضمون مشمولہ محی الدین زور۔ مخطوطہ شناسی کا فن اور ڈاکٹر زور مرحوم۔ مرتبہ ڈاکٹر خلیق انجم، دہلی، انجمن ترقی اُردو، ۱۹۸۹ء، ص ۱۵۲

۳۔ شازیہ عنبرین رانا، ڈاکٹر۔ عبدالحق کا مقام بطور مرتب و مدوّن، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، مملوکہ شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۵ء

۴۔ عبدالحق مولوی، ڈاکٹر۔ ادبی اور لسانی خدمات (جلد اوّل)، دہلی، انجمن ترقی اُردو، ص ۱۳۲-۱۳۳

۵۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر۔ حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات (جلد اوّل)، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۳ء، ص ۴۸۰

۶۔ نزہت اکرام، بیگم سلطان زمان۔ ڈاکٹر سیّد غلام محی الدین قادری زور حیات اور علمی کارنامے، غیر مطبوعہ مقالہ پی ایچ ڈی، مملوکہ جامعہ پنجاب، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۳۰۷

۷۔ مجید بیدار، ڈاکٹر۔ مخطوطہ شناسی کا فن اور ڈاکٹر زور، ص ۱۵۴

۸۔ اعجاز راہی (مرتب)۔ روداد سیمینار اصولِ تحقیق، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۶

۹۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ مدح و قدح دکن، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۹۷

۱۰۔ مشتاق احمد خاں، نواب۔ میر عثمان علی خاں مملکت آصفیہ کے آخری تاجدار، مرتبہ رشید شکیب۔ مشمولہ آصف سابع اور مملکت حیدرآباد، ص ۲۳

۱۱۔ ریاست حیدرآباد کے وظائف حاصل کرنے والے علماء، فضلاء، شعراء و ادباء اور امداد حاصل کرنے والے ملکی اور غیر ملکی اداروں سے متعلق معلومات درج ذیل کتب سے حاصل کی گئیں:

i- منظر علی سیّد۔ حیدرآباد کی علمی فیاضیاں، حیدرآباد، احمد پریس، ۱۳۵۵ھ

ii- معین الدین عقیل، ڈاکٹر/عمر خالدی۔ مدح و قدح، کراچی، مجلس تاریخ دکن، ۱۹۹۳ء

iii- محمد سعید اللہ، رشید شکیب۔ آصف سابع اور مملکت حیدرآباد، کراچی، بہادر یار جنگ اکادمی، ۱۹۴۸ء

iv- عبدالحئی، ڈاکٹر۔مملکت آصفیہ، جلد دوم، کراچی، ایجوکیشنل پریس، ۱۹۷۸ء

v- گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر۔ ہندوستان کے اُردو مصنفین اور شعراء، دہلی، اُردو اکادمی، ۱۹۹۶ء

vi- محمد علی اثر، ڈاکٹر۔دکنی و دکنیات، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء

vii- میر احمد علی خاں۔عہد عثمانی میں اُردو خدمات، حیدرآباد، ادبستانِ دکن، ۱۹۷۹ء

viii- داؤد اشرف، ڈاکٹر۔ بیرونی مشاہیر ادب اور حیدرآباد، حیدرآباد

ix- تحسین سروری۔حیدرآباد کے علمی و ادبی ادارے، مضمون مشمولہ رسالہ کارواں (حیدرآباد نمبر)، جلد۲ شمارہ ۹، ستمبر اکتوبر ۱۹۵۲ء

x- اطہر علی ترمذی، سیّد۔حیدرآباد دکن کے چند علمی و ادبی کارنامے، مضمون مشمولہ 'علم و آگہی' جلد۲ شمارہ بابت ۷۵-۱۹۷۴ء

xi- شفیعہ قادری۔حیدرآباد کے علمی و ادبی ادارے، حیدرآباد، مکتبہ شعر و حکمت، ۱۹۸۳ء

xii- داؤد اشرف، ڈاکٹر۔حاصل تحقیق، حیدرآباد، شگوفہ پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء

xiii- عبدالہادی صدیقی، محمد۔عطیات سلطان، مضمون مشمولہ 'شہریار دکن' کراچی، رائٹرز بیورو، ۱۹۶۸ء

۱۲۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔تحریک آزادی اور مملکت آصفیہ، کراچی، بہادر یار جنگ اکادمی، ص ۳۸

۱۳۔ نصیرالدین ہاشمی، ''دکن میں اردو''، ص

۱۴۔ رشیدالدین۔حیدرآباد، مضمون مشمولہ 'نقوش'، دسمبر ۱۹۷۰ء، ص ۱۴۰

۱۵۔ محی الدین قادری زور، ڈاکٹر۔سب رس کے قلمی معاونین اور ہمدردان، مضمون مشمولہ 'سب رس' جلد۱۲ شمارہ ۱۰، اکتوبر ۱۹۴۹ء